۸ جولائی ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۲۶

اس شمارے میں

آل احمد سرور

میں نے امریکہ کو کیسا پایا؟

(۵)

امریکہ کا سماج صنعتی سماج ہے۔ اس صنعتی سماج نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت بڑی ترقی کی ہے اور اس کی دولت، طاقت، معلومات اور امکانات کی بظاہر کوئی حد نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اس نے غریبی کے خاتمے اور ایک مستقل خوشحالی کے امکانات پیدا کردیے ہیں، اس نے سب کے لئے مساوی مواقع فراہم کئے ہیں، اس نے فردکی آزادی میں غیر معمولی اضافہ کیا ہے، اس نے انسانوں کی بہت بڑی تعداد کے لئے کام کے بجائے فرصت (LEISUR) کی سہولتیں عطا کی ہیں، اس نے ریگستانوں کے رہنے والوں کے لئے تازہ پانی اور عام آبادی کے لئے ایک پرامن سماجی انقلاب کے لئے راستہ صاف کردیا ہے، اس نے طاقت پرداشت مندی کی فتح کے نئے فضا ہموار کی ہے اور آئیڈیالوجی کی بحث کو بے معنی قرار دے دیا ہے۔ چاند کی فتح ٹیکنالوجی کا ہی کارنامہ ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک تو یہ فضا کی تسخیر کی پہلی منزل ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں میں خاصی صداقت ہو بھی تو ٹیکنالوجی کی ترقی صرف برکت ہی نہیں لائی، کچھ لعنتیں بھی لائی ہے۔ ٹیکنالوجی کی وجہ سے بیماری پر فتح آسان ہوئی اور بیماری پر فتح اور پیداوار کے لئے جدید ترین آلات کے استعمال نے آبادی کے پھٹ پڑنے (POPULATION EXPLOSION) کا آسیب کھڑا کر دیا ہے۔ پھر جوہری توانائی کے دریافت کرنے اور اسیر کرنے پر جو روپیہ خرچ ہوا ہے اور جو مہارت صرف ہوئی ہے اس نے ایک تو جاپان میں پچیس برس پہلے لاکھوں کی آبادی کو ختم کردیا اور اب ساری دنیا کے تہس نہس ہوجانے اور اس دھرتی کے ایک سلگتے ہوئے ویرانے میں تبدیل ہوجانے کے خوف کو ہم پر مسلط کردیا ہے۔ ٹیکنالوجی کے حامی کہتے ہیں کہ اگر آبادی میں اضافے پر پابندی لگادی جائے اور جنگوں کو ایٹمی احتساب کے ذریعہ ناممکن بنا دیا جائے تو ٹیکنالوجی کا مشن پورا ہو سکتا ہے اور وہ انسانیت کے لئے تمامتر رحمت بن سکتی ہے۔

امریکہ کے دانشور آج کل اس مسئلے کے ہر پہلو پر بحث کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہارورڈ یونیورسٹی کے ٹیکنالوجی اور سماج کے پروگرام کی طرف سے جو چوتھی رپورٹ جنوری ۱۹۶۹ء میں شایع ہوئی ہے اس پر نیویارک ٹائمس میں خاصا مفصل تبصرہ ہوا تھا اور جولائی ۱۹۶۹ء میں نیویارک ریویو آف بکس نے اس پر ایک طویل مضمون شائع کیا۔ رپورٹ میں ڈائرکٹر میس تھین (MEA THENE) نے اس کا اعتراف کیا تھا۔

> "ٹیکنالوجی انسانوں کے چارہ کار اور عمل کے لئے نئے امکانات پیدا کرتی ہے لیکن ان کے انجام کو غیر یقینی چھوڑ دیتی ہے۔ اس کے اثرات کیا ہوں گے اور یہ کن مقاصد کو پورا کرے گی، یہ باتیں ٹیکنالوجی طے نہ کرے گی بلکہ وہ آدمی طے کریں گے جو اس کا استعمال کریں گے ٹیکنالوجی تو ایک ایسا مستقبل وجود میں لاتی ہے جس میں ہر طرح کے امکانات ہیں۔"

آگے چل کر یہ بھی کہا گیا تھا۔

"ٹیکنالوجی [illegible]

امکانات پیدا کرتی ہے اور ان کے نئے نئے مسائل بھی کھڑے کر دیتی ہے۔ اس کے مثبت اور منفی دونوں اثرات ہیں اور عام طور پر یہ دونوں ایک ہی وقت میں اور ایک دوسرے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

یہی بنیادی سوال ہے جو ہر سنجیدہ، مخلص اور دردمند انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا وہ سیدھا سادا جواب کم سے کم مجھے تو مطمئن نہیں کرتا جو گال بریتھ (GAL BRAITH) جیسے لبرل دیتے ہیں کہ جیسے جیسے دانش مندی طاقت پر غلبہ پاتی رہے گی صنعتی زندگی کے تضادات ختم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ یہ انسانی ذہن کو صرف عقلیت اور خیر کا حامل سمجھتا ہے، حالانکہ انسانی ذہن میں جو جارحانہ میلانات اور جو تخریبی صلاحیتیں ہیں ان کو بھی دھیان میں رکھنا چاہئے میرے نزدیک اس کا یہ جواب بھی شافی نہیں ہے کہ یہ سب خرابیاں سرمایہ دارانہ نظام کی ہیں اور سوشلسٹ سماج میں ان کو یقیناً دور کر لیا جائے گا۔ اصل سوال یہ ہے کہ صنعتی زندگی ایک دو دھاری تلوار ہے یا نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی ترقیوں کے ساتھ اس کی لعنتیں ابھی امریکی سماج میں زیادہ رونما ہوئی ہیں، روس اور دوسرے سوشلسٹ یا کمیونسٹ ملکوں میں کم۔ یہاں یہ سوال بھی نہیں ہے کہ ان دونوں نظاموں میں کون سا بہتر ہے۔ امریکہ کے دانشور یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ٹیکنالوجی نے نئے سوال کھڑے کر دئے ہیں اور سماج میں ماہرین کا ایک طبقہ پیدا ہوتا جا رہا ہے، جو اپنی صلاحیت، اپنی طاقت اور اپنے وسائل کی وجہ سے عوام سے دور ہوتا جا رہا ہے اور بالآخر ایک خصوصی طبقے کو جنم دیتا جا رہا ہے جو عوام کے حقوق سے زیادہ اور سماجی خیر سے زیادہ، اپنی طاقت کو برقرار رکھنے اور اس کے لئے ایک خاص فوجی نظام، ایک خاص دفتر شاہی، اس کی ایک خاص اصطلاحی زبان اور کمپیوٹر کے ذریعہ (COMPUTOR) ذریعہ سے بڑے بڑے اداروں کی قیادت اور بڑے بڑے پروگراموں کے انجام دینے میں مصروف ہے۔ میرے نزدیک نوجوانوں کی بغاوت دراصل اس بڑھتی ہوئی ٹیکنالوجی اور اس کے اثرات کے خلاف ہے جس کے نتیجے میں بہت سے سیاسی اور سماجی مسئلے پیدا ہوتے ہیں اور یونیورسٹیوں کی موجودہ تنظیم کے خلاف جذبہ بھی اسی وجہ سے ہے کیونکہ بالآخر تمام اہم یونیورسٹیاں اس صنعتی نظام کو تقویت پہنچاتی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ چونکہ یہ یونیورسٹیاں ہیں اس لئے اس کے خطروں سے آگاہ کرنے والے بھی انہیں کی گرد سے ابھرتے ہیں۔

امریکہ اس مسئلے کا حل کیا نکالے گا۔ اس پر بہت کچھ دنیا کے مستقبل کا انحصار ہے۔ نوجوان ٹیکنالوجی کے خلاف نہیں ہیں۔ اقبال کے الفاظ میں صرف مشینوں اور مشینی ذہن کی حکومت کے خلاف ہیں۔ امریکہ میں چونکہ مختلف نسلوں کے لوگ موجود ہیں، یعنی ان کے پاس انسانی دولت کی بہتات ہے اور ان کے وسائل بھی بے شمار ہیں اس لئے اس کے نوجوانوں سے یہ امید بندھتی ہے کہ وہ اس کا کوئی حل نکال لیں گے۔ یہ حل تمام طبقوں خصوصاً پچھڑے ہوئے کالوں کی پورے سماج میں برابر کی شرکت اور نوجوانوں کی ذہنی توازن اور شخصیت کے ہمہ جہت فروغ کی کوشش میں نظر آتا ہے جو اپنے گھر کی درستی کو دنیا کی چودھراہٹ پر مقدم سمجھتا ہے اور بڑے بڑے شہروں کے جنگل کے بجائے جن میں فرد کھو جاتا ہے، نسبتاً چھوٹے چھوٹے شہروں، پھیلی ہوئی صنعتوں، فطرت کی آغوش، ادب اور فنون لطیفہ کی ترقی، ہوا کی پاکیزگی، صنعتی گندگی (INDUSTRIAL WASTE) کے تدارک پر زور دیتا ہے یعنی ٹیکنالوجی پر انسانیت کی فتح کا آغاز کرتا ہے۔ اس راستے پر چل کر امریکہ کے نوجوان ملک کی سیاسی الجھنوں کا حل بھی نکال لیں گے۔ میرا خیال یہ ہے کہ گال بریتھ کے راستے پر نہیں بلکہ ان نوجوانوں کے راستے پر چل کر امریکہ اپنی اور دنیا کی فلاح کا راز پا لے گا۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ نکسن اور اس کے ہم خیالوں کی ہار زیادہ دور نہیں ہے۔

امتحانات جامعہ اردو ۱۹۷۰ء

جامعہ اردو کے امتحانات ۵ر اکتوبر ۱۹۷۰ء سے مجوزہ مراکز پر شروع ہوں گے فیس و فارم کے داخلہ کی آخری تاریخ ۸ر جولائی اور فیس تاخیر کے ساتھ ۵ر اگست ۱۹۷۰ء ہے فارم داخلہ طبع ہو چکے ہیں۔ ایک فارم کی قیمت ۱۵ پیسے اور صرفہ ڈاک ۲۰ پیسے ہے (جملہ ۳۵ پیسے بھیج کر فارم طلب کیجئے مناسب و معقول انتظام ہونے پر کسی مقام پر بیس یا زائد امیدواروں پر جدید سنٹر قائم کیا جا سکتا ہے۔

تفصیلات کے لئے رجسٹرار جامعہ اردو علی گڑھ سے رجوع کیجئے۔

• اسسٹنٹ رجسٹرار

اردو ٹائپ

کیرالا کے عبد اللہ البلا صاحب مطلع ہوں کہ حیدر آباد دکن میں وہ اردو ٹائپ میں طباعت کرا سکتے ہیں اور چاہیں تو اردو ٹائپ خرید بھی سکتے ہیں۔ بنیادی اردو ٹائپ کے چھوٹے فونٹ (FONT) کی لاگت تقریباً ایک ہزار روپیہ ہوگی یہ مالک مجتبیٰ پریس، حیدر آباد (چھتہ بازار بستی) سے منگوایا جا سکتا ہے۔ اردو طباعت کے لئے اخبار سیاست۔ حیدر آباد کا انتخاب پریس بھی بہت موزوں ہے۔ البتہ ملیالم ٹائپ موجود نہیں ہے۔ مجوزہ ڈکشنری کی طباعت حیدر آباد میں کرائی جائے تو غالباً ملیالم ٹائپ اور کمپوزر کا انتظام ممکن ہوگا۔

سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ اردو ہال حمایت نگر حیدر آباد ۲۹ اس بارے میں ضروری مواد فراہم کریں گے اور ہر قسم کی مدد دینے سے گریز نہیں کریں گے۔

• سجاد مرزا

آل احمد سرور

سو عظیم کتابیں

(۱۹۰۰ سے ۱۹۷۰ء تک)

حال میں ڈبلیو وارن ویگر (W. WARREN WAGAR) کی کتاب "سائنس، عقیدہ اور انسان" دیکھ رہا تھا۔ اس میں ایسی سو عظیم کتابوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جنھوں نے مصنف کے خیال میں انسانی ذہن کو متاثر کیا ہے اور جو عظیم کہی جا سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فہرست حرفِ آخر نہیں ہے کیونکہ اس میں ادبی شاہکاروں کو بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔ مگر اپنی جگہ مفید ضرور ہے۔ اس لئے ہماری زبان کے پڑھنے والوں کے لئے اسے شائع کیا جاتا ہے اس طرح کی فہرست اردو کی عظیم کتابوں کی بھی تیار کر کے اگلے ماہ شائع کی جائے گی۔

نمبر شمار	مصنف	تصنیف		سال اشاعت
۱۔	سگمنڈ فرائڈ	خوابوں کی تشریح	THE INTERPRETATION OF DREAMS	۱۹۰۰ء
۲۔	اڈمنڈ ہسرل	تحقیقاتِ منطق	LOGICAL INVESTIGATIONS	"
۳۔	سگمنڈ فرائڈ	روزمرہ زندگی کا نفسیاتی طریقۂ علاج	THE PSYCHOPATHOLOGY OF EVERYDAY LIFE	۱۹۰۱ء
۴۔	بنے ڈٹو کروچے	روح کا فلسفہ	PHILOSOPHY OF THE SPIRIT	۱۹۰۲ء
۵۔	پیٹر کروپاٹکن	امدادِ باہمی	MUTUAL AID	"
۶۔	ورنر زمباٹ	جدید سرمایہ داری	MODREN CAPITALISM	"
۷۔	جارج مور	اخلاقیات کے اصول	PRINCIPIA ETHICA	۱۹۰۳ء
۸۔	ہنری برگساں	تخلیقی ارتقا	CREATIVE EVOLUTION	۱۹۰۷ء
۹۔	جارج سوریل	تشدد پر خیالات	REFLECTIONS ON VIOLENCE	۱۹۰۸ء
۱۰۔	گراہم ویلس	سیاسیات میں طبعِ انسانی	HUMAN NATURE IN POLITICS	"
۱۱۔	وی۔ آئی۔ لینن	مادیت اور تجربی تنقیدیت	MATERIALISM AND EMPIRIO-CRITICISM	۱۹۰۹ء
۱۲۔	برٹرینڈ رسل اور الفریڈ نارتھ وائٹ ہیڈ	ریاضیات کے اصول	PRINCIPIA MATHEMATICA	۱۹۱۰ء
۱۳۔	رابرٹ مائکلس	سیاسی جماعتیں	POLITICAL PARTIES	۱۹۱۱ء
۱۴۔	ہینس ویہنجر	"گویا" کا فلسفہ	THE PHILOSOPHY OF "AS IF"	"
۱۵۔	ایملی درخیم	مذہبی زندگی کی ابتدائی شکلیں	THE ELEMENTARY FORMS OF RELIGIOUS LIFE	۱۹۱۲ء
۱۶۔	کارل گستاؤ ژنگ	نفسیاتِ لاشعور	THE PSYCHOLOGY OF THE UNCONSCIOUS	"
۱۷۔	سگمنڈ فرائڈ	اعتقاد و امتناع	TOTEM AND TABOO	۱۹۱۳ء
۱۸۔	اونامونو	زندگی کا المیاتی شعور	THE TRAGIC SENSE OF LIFE	"
۱۹۔	ولیم ڈلتھی	تحریروں کا مجموعہ	COLLECTED WORKS	۱۹۱۴ء
۲۰۔	برٹرینڈ رسل	خارجی دنیا کے بارے میں ہمارا علم	OUR KNOWLEDGE OF THE EXTERNAL WORLD	"
۲۱۔	ولفریڈو پریٹو	ذہن اور معاشرہ	THE MIND AND SOCIETY	۱۹۱۶ء
۲۲۔	البرٹ آئن سٹائن	اضافیت کا خاص اور عام نظریہ	RELATIVITY, THE SPECIAL AND GENERAL THEORY	۱۹۱۶ء
۲۳۔	وی۔ آئی۔ لینن	شہنشاہیت: سرمایہ داری کی منزلِ کمال	IMPERIALISM, THE HIGHEST STAGE OF CAPITALISM	"
۲۴۔	وی۔ آئی۔ لینن	ریاست اور انقلاب	STATE AND REVOLUTION	۱۹۱۷ء
۲۵۔	روڈولف اوٹو	الوہیت کا تصور	THE IDEA OF THE HOLY	"
۲۶۔	اوسوالڈ اشپنگلر	زوالِ مغرب	THE DECLINE OF THE WEST	۱۹۱۸ء
۲۷۔	کارل بارتھ	رومیوں کے نام مکتوب	THE EPISTLE TO THE ROMANS	۱۹۱۹ء
۲۸۔	ایچ۔ جی۔ ویلز	تاریخ کا خاکہ	THE OUTLINE OF HISTORY	"
۲۹۔	آر۔ ایچ۔ ٹاونی	اکتسابی معاشرہ	THE ACQUISITIVE SOCIETY	۱۹۲۰ء
۳۰۔	میکس ویبر	عمرانیاتِ دین پر تحریروں کا مجموعہ	COLLECTED WORK ON THE SOCIOLOGY OF RELIGION	
۳۱۔	کارل گستاؤ ژنگ	نفسیاتی اقسام	PSYCHOLOGICAL TYPES	۱۹۲۱ء
۳۲۔	جارج مور	فلسفیانہ مطالعے	PHILOSOPHICAL STUDIES	۱۹۲۲ء
۳۳۔	میکس ویبر	معاش اور معاشرہ	ECONOMY AND SOCIETY	"

نمبر شمار	مصنف	تصنیف		سال اشاعت
۳۴	لڈوگ وٹگنسٹائن	فلسفۂ منطق کا رسالہ	TRACTACTUS LOGICA PHILOSOPHICUS	۱۹۲۲ء
۳۵	نکولائی بردئیف	تاریخ کا مفہوم	THE MEANING OF HISTORY	۱۹۲۳ء
۳۶	مارٹن بوبر	میں اور تو	I AND THOU	"
۳۷	ارنسٹ کیسرر	علامتی اشکال کا فلسفہ	PHILOSOPHY OF SYMBOLIC FORMS	"
۳۸	سگمنڈ فرائڈ	نفس اور نفس امّارہ	THE EGO AND THE	"
۳۹	آرتھر موئلے وان دی بروک	تیسرا جمہوریہ جرمنی	THE THIRD REICH	"
۴۰	جوزے اورٹیگا گاسی	موضوع جدید	THE MODERN THEME	۱۹۲۳ء
۴۱	البرٹ شوئٹزر	تہذیب کا فلسفہ	THE PHILOSOPHY OF CIVILIZATON	"
۴۲	کارل بارتھ	قول خداوندی اور قول انسانی	THE WORD OF GOD AND THE WORD OF MAN	۱۹۲۵ء
۴۳	اڈولف ہٹلر	میری لڑائی	MY BATTLE	"
۴۴	ہیرولڈ جے۔ لاسکی	قواعد سیاسیات	A GRAMMER OF POLITICS	"
۴۵	الفریڈ نارتھ وائٹ ہیڈ	سائنس اور عالم جدید	SCIENCE AND THE MODERN WORLD	"
۴۶	ایوان پاولوف	مشروط افعال اضطراری	CONDITIONED REFLEKES	۱۹۲۶ء
۴۷	جوزف اسٹالن	لینن ازم کے مسائل	PROBLEMS OF LENINISM	"
۴۸	جولین بینڈا	دانشوروں کے ساتھ فریب	THE BETRAYAL OF INTELLECTUALS	۱۹۲۸ء
۴۹	مارٹن ہائیڈیگر	وجود اور وقت	BEING AND TIME	"
۵۰	کارل کاٹسکی	تاریخ کا مادی تصور	THE MATERIALIST CONCEPT OF HISTORY	"
۵۱	گیبریل مارسل	مابعد الطبیعاتی رسائل	METAPHYSICAL JOURNAL	"
۵۲	روڈولف کارنپ	دنیا کی منطقی ساخت	THE LOGICAL STRUCTURE OF THE WORLD	۱۹۲۸ء
۵۳	آرتھر ایڈنگٹن	عالم طبیعی کا مزاج	THE NATURE OF THE PHISICAL WORLD	"
۵۴	جولین ہکسلے	مذہب الہام کے بغیر	RELIGION WITHOUT REVELATION	"
۵۵	کارل مین ہیم	نظریہ اور جنت ارضی	IDEOLOGY AND UTOPIA	۱۹۲۹ء
۵۶	الفریڈ نارتھ وائٹ ہیڈ	عمل غیر اختیاری اور حقیقت	PROCESS AND REALITY	"
۵۷	سگمنڈ فرائڈ	تہذیب اور اس کی ناآسودگی	CIVILIZATION AND ITS DISCONTENTS	۱۹۳۰ء
۵۸	جوزے اورٹیگا گاسی	عوام کی بغاوت	THE REVOLT OF THE MASSES	"
۵۹	الفریڈ روزن برگ	بیسویں صدی کا اسطور	THE MYTH OF THE TWENTIETH CENTURY	"
۶۰	مورٹز شلک	اخلاقیات کے مسائل	PROBLEMS OF ETHICS	"
۶۱	نکولائی بردئیف	انسان کا مقدر	THE DESTINY OF MAN	۱۹۳۱ء
۶۲	کارل یاسپرز	انسان عہد جدید میں	MAN IN THE MODERN AGE	"
۶۳	کارل یاسپرز	فلسفہ	PHILOSOPHY	"
۶۴	کارل گستاو ینگ	جدید انسان: روح کی تلاش میں	MODERN MAN IN SEARCH OF A SOUL	"
۶۵	پوپ پائز دہم	ایک تحفۂ اربعین کے بعد	QUADRAGESIMO ANNO	"
۶۶	کارل بارتھ	کلیسا کے اذعانی عقیدے	CHURCH DOGMATICS	۱۹۳۲ء
۶۷	ہنری برگساں	اخلاق اور اخلاقیات کے دو ماخذ	THE TWO SOURCES OF MORALITY AND ETHICS	"
۶۸	جیمس جینز	پراسرار کائنات	THE MYSTERIOUS UNIVERSE	"
۶۹	لیون ٹراٹسکی	روسی انقلاب کی تاریخ	THE HISTORY OF THE RUSSIAN REVOLUTION	"
۷۰	الفریڈ نارتھ وائٹ ہیڈ	مہمات خیال	ADVENTURES OF IDEAS	۱۹۳۳ء
۷۱	روڈولف کارنپ	زبان کی منطقی ساخت	THE LOGICAL SYNTAX OF LANGUAGE	۱۹۳۴ء
۷۲	آرنلڈ جے۔ ٹوائن بی	مطالعۂ تاریخ	A STUDY OF HISTORY	"
۷۳	کرٹ کوفکا	شکلی نفسیات کے اصول	PRINCIPLES OF GESTALT PSYCHOLOGY	۱۹۳۵ء
۷۴	کارل مین ہیم	انسان اور اس کا معاشرہ تعمیر نو کے عہد میں	MAN AND SOCIETY IN AN AGE OF RECONSTRUCTION	"

نمبر شمار	مصنف	تصنیف		سال اشاعت
۷۵۔	گیبریل مارسل	وجود اور حصول	BEING AND HAVING	۱۹۳۵ء
۷۶۔	اے۔ جے۔ آیر	زبان، صداقت اور منطق	LANGUAGE, TRUTH AND LOGIC	۱۹۳۶ء
۷۷۔	جان مینارڈ کینز	روزگار، سود اور سرمائے کا عام نظریہ	THE GENERAL THEORY OF EMPLOYMET, INTREST AND MONEY	〃
۷۸۔	جیکوئس ماری ٹین	انسانیت کا سچا تصور	TRUE HUMANISM	〃
۷۹۔	پی ٹی رم اے۔ سوروکن	معاشرتی اور تمدنی حرکیت	SOCIAL AND CULTURAL DYNAMICS	۱۹۳۷ء
۸۰۔	بینے ڈوٹو کروچے	تاریخ بحیثیت قصۂ حریت	HISTORY AS THE STORY OF LIBERTY	۱۹۳۸ء
۸۱۔	البرٹ آئن سٹائن، لیوپولڈ انفلڈ	طبیعیات کا ارتقا	THE EVOLUTION OF PHYSICS	〃
۸۲۔	جوزف اسٹالن	سوویت کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ	HISTORY OF THE COMMUNIST PARTY OF THE SOVIET UNION	〃
۸۳۔	ایرک فروم	آزادی سے فرار	ESCAPE FROM FREEDOM	۱۹۴۱ء
۸۴۔	البرٹ کامو	سی سی فس کا اسطور	THE MYTH OF SISYPHUS	۱۹۴۲ء
۸۵۔	جوزف شمپیٹر	سرمایہ داری، اشتراکیت اور جمہوریت	CAPITALISM, SOCIALISM AND DEMOCRACY	〃
۸۶۔	ژاں پال سارتر	وجود اور عدم	BEING AND NOTHINGNESS	۱۹۴۳ء
۸۷۔	فریڈرک ہیک	غلامی کا راستہ	THE ROAD TO SERFDOM	۱۹۴۴ء
۸۸۔	کارل پاپر	آزاد معاشرہ اور اس کے دشمن	THE OPEN SOCIETY AND ITS ENEMIES	۱۹۴۵ء
۸۹۔	پیرے لکومٹ دی نوئی	انسانی مقدر	HUMAN DESTINY	۱۹۴۷ء
۹۰۔	روڈولف بلٹمین	عہد نامۂ جدید کی دینیات	THEOLOGY OF THE NEW TESTAMENT	۱۹۴۸ء
۹۱۔	جیکوئس ماری ٹین	تعقل کا دائرہ	THE RANGE OF REASON	〃
۹۲۔	رچرڈ کراس مین (مرتب)	ہارا ہوا خدا	THE GOD THAT FAILED	۱۹۴۹ء
۹۳۔	ڈیٹرک بونہوفر	زنداں سے خطوط اور تحریریں	LETTERS AND PAPERS FROM PRISON	۱۹۵۱ء
۹۴۔	البرٹ کامو	باغی	THE REBEL	〃
۹۵۔	پال ٹلخ	باترتیب دینیات	SYSTEMATIC THEOLOGY	〃
۹۶۔	پال ٹلخ	حوصلۂ وجود	THE COURAGE TO BE	۱۹۵۲ء
۹۷۔	لڈوگ وٹگن سٹائن	فلسفیانہ تحقیقات	PHILOSOPHICAL INVESTIGATIONS	۱۹۵۳ء
۹۸۔	پیرے تیلارد دی شاردن	انسان کے مظاہر	THE PHENOMENON OF MAN	۱۹۵۵ء
۹۹۔	سی۔ پی۔ سنو	دو تمدن اور سائنسی انقلاب	THE TWO CULTURES AND THE SCIENTIFIC REVOLUTION	۱۹۵۹ء
۱۰۰۔	ژاں پال سارتر	جدلیاتی تعقل کا انتقاد	CRITIQUE OF DIALECTICAL REASON	۱۹۶۰ء

احسن آس افضل

غزل

دل کی آگ آنکھوں کا پانی بانٹ لو
عشق کی اک اک نشانی بانٹ لو

پیاس کی زد میں ہر اک دریا ہے آج
قطرہ قطرہ سارا پانی بانٹ لو

گفتگو کرنے کا فن آ جائے گا
آنسوؤں کی بے زبانی بانٹ لو

ہر کہانی معتبر ہو جائے گی
دل کی آشفتہ بیانی بانٹ لو

اپنی بے لحنی پہ کیوں روتے پھرو
آؤ میری خوش بیانی بانٹ لو

تشنہ کام ہو تم سکندر ہو نہ خضر
چشمۂ حیواں کا پانی بانٹ لو

قصۂ غم ہو کہ روداد نشاط
تھوڑی تھوڑی ہر کہانی بانٹ لو

ڈاکٹر ابو محمد سحر

کچھ نسخۂ بھوپال بخط غالب کے بارے میں

سرزمین بھوپال کے ادبی امتیازات میں یہ بات سرفہرست رہے گی کہ یہاں سے دیوان غالب کے دو نہایت اہم قلمی نسخے دریافت ہوئے۔ پہلا قلمی نسخہ جو ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) کا لکھا ہوا تھا ۱۹۱۸ء میں دریافت ہوا اور ۱۹۲۱ء میں غالب کے دیگر کلام کے ساتھ نسخۂ حمیدیہ کے نام سے شائع ہوا۔ اس قلمی نسخے اور نسخۂ حمیدیہ کے گھر گھر پہنچ جانے کے بعد کون کہہ سکتا تھا کہ خود غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک اور قدیم دیوان اس سرزمین میں موجود ہوگا اور گردش نصف صدی تک کوئی کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے گا۔ لیکن جو بات کبھی نہ ہوا تھی وہ ہو کر رہی۔ غالب صدی کی دھوم دھام میں مارچ ۱۹۶۹ء کے آخر میں ایک حقیقی معجزے کی طرح اسی سرزمین سے یہ نسخہ بھی رونما ہوا اور اپریل کے پہلے ہفتے میں امروہہ پہنچ گیا جہاں سے اس کی خبریں "شہرت شوم رسیدگی" کی مصداق بن گئیں۔

دنیا میں کسی کتاب کی دریافت پر شاید اتنی ہلچل نہ ہوئی ہوگی جتنی غالب کے اس دیوان کی دریافت سے اردو دنیا میں ہوئی۔ اس کی دستیابی کا سہرا تو انھیں نوادر فروشوں کے سر ہے جن کے کاروباری مقاصد نے اسے منزل بہ منزل تعرگمنامی سے نکال کر دوشناسی کی سرحد پر لا کھڑا کیا لیکن اس کی قدر وقیمت کی توسیع اشاعت بعض اہل علم کی برق رفتاری کی بدولت ہوئی یہاں تک کہ چند ماہ میں اس نسخے کے دو شاندار اڈیشن طبع ہو کر شائع ہو گئے۔ بھوپال میں اس نسخے کی فراہمی اور پھر امروہہ پہنچنے کی جو کیفیت مجھے معلوم ہوئی تھی وہ میری ایک تحریر کے ذریعے سے منظر عام پر آ چکی ہے[1]۔ چونکہ یہ نسخہ خود غالب کا لکھا ہوا تھا اور اس سے پہلے کے بھوپالی نسخے کی گمشدگی اور نسخۂ حمیدیہ کی ترتیب کے نقائص میرے سامنے تھے اس لئے میں نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ اس نسخے کا عکس شائع کر دیا جائے تاکہ اس کا متن ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے اور ہر شخص بآسانی اس سے استفادہ کر سکے[2]۔ اتفاق سے اس نسخے کے مرتبین نے بھی اسی طرح سوچا اور اس کے دونوں اڈیشن عکسی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔

اس قلمی نسخے سے متعلق کچھ تحقیقی مسائل نے بجا طور پر محققین کو دعوت فکر دی ہے لیکن اس کی دریافت سے اشاعت تک کچھ ایسے حالات درپیش تھے کہ محققین بھی عجلت سے کام لینے پر مجبور رہے۔ چنانچہ اب تک اس کے بارے میں جو تحریریں شائع ہوئی ہیں وہ اپنی افادیت کے باوجود تشنۂ تکمیل معلوم ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ غالب پر تحقیق کے اس عام انداز سے بھی نہیں بچ سکیں جو نظر ثانی کا محتاج ہے۔ محققین کے کندھوں پر بعض حل طلب تحقیقی مسائل کا بوجھ ہی کیا کم تھا کہ ناجائز مصالح، ذاتیات اور محدود وطن پرستی کے جوش نے کئی نئی خرخشوں کا اضافہ کر دیا۔ اس نسخے سے وابستہ کوائف میں بڑی حد تک ایسا ہونا بھی فطری تھا کوئی اسے پسند کرے یا نہ کرے اب یہ خرخشے بھی تحقیق کے دائرے میں داخل ہیں اور اس نسخے پر کچھ لکھنے میں کسی نہ کسی حیثیت سے ان کا زیر بحث آنا لازمی ہے۔

کسی نادر چیز کے اتفاقاً دستیاب ہونے پر مالی منفعت یا نیک نامی حاصل کرنے کی خواہش انسان کی ایک فطری کمزوری ہے۔ ایسے موقع پر نہ صرف براہ راست بلکہ بالواسطہ تعلق رکھنے والے بھی اس خواہش کو عموماً شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ چونکہ اس قلمی نسخے کی دریافت میں مالی منفعت اور ادبی نیک نامی دونوں کے حصول کا بیش بہا خزانہ پوشیدہ تھا اس لئے یہ جن اصحاب کی دسترس میں آیا وہ تو اس خواہش سے مغلوب ہو ہی گئے لیکن جن اصحاب کا اس کی دریافت کے ذرائع سے کسی قسم کا قریبی یا دور کا تعلق تھا وہ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان میں سے اکثر اصحاب کے دلوں کو یہ نسخہ روایتی ساحرہ کی طرح لبھانے لگا۔ مالی منفعت کی توقع تو بظاہر اس کے مالک ہی کو ہو سکتی تھی لیکن بیک وقت ایک سے زائد اصحاب اس کی دریافت کی نیک نامی لینے لگے۔ جیسا کہ تحریری یا زبانی بیانوں سے اندازہ ہوا یہ رنگ دیکھ تاجروں کو بھی یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ مالی فائدے پر اکتفا کریں یا ادبی دریافت کی نیک نامی بھی حاصل کریں اور وہ اس الجھن میں پڑ گئے یا ڈال دئے گئے کہ مشتق بن جائیں۔ فی الحقیقت یہ نسخہ ایک موج تہ نشیں تھی جو خود بخود دریا پر آ گئی بھوپال سے دبے پاؤں اس نے امروہہ کا راستہ لیا، وہاں سے دہلی اور رام پور کا رخ کیا، اور غالباً دہلی ہی سے بھیس بدل کر لاہور تک یلغار کی۔ اس ساری تگ و دو میں بالآخر علم دوستی اور ادب نوازی کا سودا بھی سب سے چوکھا رہا۔ اردو دنیا ان اصحاب کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہو سکے گی جن کی مساعی جمیلہ سے انتہائی نامساعد حالات میں یہ نسخہ اپنے اصلی خط و خال کے ساتھ صحیح معنوں میں زیور طبع سے آراستہ ہو گیا۔

چونکہ اپنے وجود کے انکشاف کے وقت یہ نسخہ امروہہ کے جناب نثار احمد فاروقی کے پاس تھا اور شروع میں یہ بات ظاہر نہ ہوئی تھی کہ انھوں نے اسے بھوپال کے مولوی شفیق الحسن خاں نقشی سے حاصل کیا تھا اس لئے نسخۂ امروہہ کے نام سے موسوم ہو گیا۔ جناب اکبر علی خاں نے اسے دیوان غالب بخط غالب نسخۂ عرشی زادہ کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد نقوش لاہور، غالب نمبر حصہ دوم میں اس کی اشاعت بیاض غالب کے نام سے ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی اس لاعلمی کی بنا پر کہ "یہ بیاض سب سے پہلے لاہور میں چھپی ہے" جناب محمد طفیل مدیر نقوش نے اپنی یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اسے نسخۂ لاہور کے نام سے یاد کیا جائے[3]۔ اس قلمی نسخے کی دو مطبوعہ نقلوں کے ان ناموں کو تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں یعنی اکبر علی خاں صاحب کا چھاپا ہوا نسخہ نسخۂ عرشی زادہ ہے اور محمد طفیل صاحب کا نسخۂ لاہور، لیکن قلمی نسخے کو ان ناموں سے موسوم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اس کی دو ہی خصوصیات

---

[1] ہماری زبان یکم جولائی ۱۹۶۹ء ص ۷

[2] ایضاً ... ۸ جولائی ... ص ۸

[3] نقوش لاہور، غالب نمبر، حصہ دوم، اس شمارے میں، ص ۲

ایسی ہیں جن کی بنا پر اس کو کوئی نام دیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ نسخہ خود غالب کا لکھا ہوا ہے اور دوسری یہ کہ یہ بھوپال سے دستیاب ہوا ہے۔ پہلی خصوصیت اس لحاظ سے بہت زیادہ اہم ہے کہ غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ان کے دیوان کا اب تک یہ واحد معلوم نسخہ ہے۔ گل رعنا کا ایک نو دریافت قلمی نسخہ بھی غالب کے قلم کا بتایا جاتا ہے لیکن یہ دیوان نہیں بلکہ اردو و فارسی کلام کا انتخاب ہے۔ اس اعتبار سے نو دریافت قلمی دیوان کو دیوان غالب بخط غالب کہنا مناسب ہے لیکن اس سے اس سرزمین کا حق ادا نہیں ہوتا جس نے کم و بیش ڈیڑھ سو سال کے بعد یہ انمول تحفہ ہمیں عطا کیا ہے۔

ابتدا میں نسخۂ امروہہ کے نام سے مشہور ہو جانے کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ یہ قلمی نسخہ بھوپال سے ملا ہے تو اس کو بھوپال سے منسوب کرنے میں یہ قباحت حائل ہوئی کہ یہیں دریافت ہونے والا ایک اور قلمی دیوان غالب پہلے سے نسخۂ بھوپال کہلاتا تھا۔ ڈاکٹر گیان چند صاحب نے اس دقت کو حل کرنے کے لئے نو دریافت نسخے کے زمانۂ کتابت کی قدامت کے پیش نظر اس کو نسخۂ بھوپال اوّل اور پہلے والے نسخے کو نسخۂ بھوپال دوم کہنے کی تجویز پیش کی۔[1] چونکہ اس تجویز سے نسخۂ بھوپال کے مروج نام میں ترمیم ہوتی تھی جس کا اثر پچھلی تحریروں پر پڑتا تھا، نیز نو دریافت نسخے کے بھوپال سے انتساب میں اس کے زمانۂ کتابت سے زیادہ زمانۂ دریافت اہم تھا اس لئے میری رائے یہ ہوئی کہ نسخۂ بھوپال کو بدستور نسخۂ بھوپال اور نو دریافت نسخے کو نسخۂ بھوپال دوم کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔[2] جناب عبدالقوی دسنوی نے اس نسخے کو "نسخۂ بھوپال ثانی" سے موسوم کیا ہے۔[3] دوم اور ثانی میں صرف لفظی فرق ہے اور اپنی جگہ پر یہ نام بھی اچھا ہے لیکن جس طرح "بخط غالب" میں بھوپال کی رعایت نہیں رہتی اسی طرح اس نام میں بخط غالب حذف ہو جاتا ہے۔ اس لئے اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس نسخے کا سب سے اچھا نام "نسخۂ بھوپال بخط غالب" ہے۔

وجہ تسمیہ کا خلاف حقیقت ہونا یوں تو کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن کبھی کبھی اس کی بنا پر ناموں میں ترمیم ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اتفاق سے یہ صورت نسخۂ بھوپال کے سلسلے میں بھی پیش آ چکی ہے۔ اس کا کلام غالب کے دیگر کلام کے ساتھ نسخۂ حمیدیہ کے نام سے شائع ہوا تو عام طور پر قلمی نسخے کو بھی نسخۂ حمیدیہ کہا جانے لگا لیکن بعض اہل نظر مثلاً شیخ محمد اکرام، مولانا امتیاز علی عرشی اور قاضی عبدالودود نے اس الجھاؤ کو محسوس کر لیا۔ قلمی نسخہ نسخۂ بھوپال یا بھوپالی نسخہ قرار پایا اور نسخۂ حمیدیہ کا نام مطبوعہ دیوان ہی کے لئے رہ گیا اور اب یہی روش مستند و مروج ہے۔

نسخۂ بھوپال بخط غالب کے دونوں ایڈیشن یعنی نسخۂ عرشی زادہ اور بیاض غالب مطبوعہ نقوش غالب نمبر حصۂ دوم (جسے میں محمد طفیل صاحب کی خواہش کے مطابق نسخۂ لاہور کہوں گا) میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ دونوں مطبوعہ نسخے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ نسخۂ عرشی زادہ کی قیمت جہاں تک مجھے معلوم ہے پہلے پچھتر روپے اور پھر ایک سو پچیس روپے رکھنے کا خیال تھا لیکن بالآخر اس کی قیمت تین سو روپے رکھی گئی جو خواص اور اداروں کی قوت خرید سے بھی عموماً باہر نکل گئی۔ نقوش غالب نمبر حصۂ دوم بہ شمول نسخۂ لاہور کی قیمت تیس روپے ہے۔ لیکن ہندوستان میں دیگر پاکستانی مطبوعات کی طرح اس کی زیارت بھی آسان نہیں۔ ذاتی کوششوں سے یا تو مفت ہاتھ آ جاتا ہے یا کہیں زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

نسخۂ عرشی زادہ علیحدہ کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے نسخۂ لاہور نقوش غالب نمبر حصۂ دوم کا جزو ہے۔ اول الذکر کا سائز نسبتاً زیادہ موزوں اور عکس زیادہ صاف اور دیدہ زیب ہیں۔ اس میں یہ خاص التزام کیا گیا ہے کہ دیوان کے مندرجات کی طرح اس کا اور مرتب کا نام اور اکثر عنوانات بھی غالب کی دوسری تحریروں سے ڈھونڈ کر بخط غالب چھاپے گئے ہیں۔ نسخۂ لاہور میں یہ اہتمام ہے کہ قلمی نسخے کے ہر عکسی صفحے کے مقابل صفحے پر مرتب (۹) کی قرأت کے مطابق مندرجات کو خوبصورت کتابت میں چھاپا گیا ہے۔ قرأت اور کتابت کی برائے نام لغزشوں سے قطع نظر ایک قابل ذکر گڑبڑ یہ ہوئی ہے کہ ۲۵۱ سے ۲۶۶ تک بیاضی صفحات کے مقابل کتابت شدہ صفحات کی ترتیب بدل جانے کی وجہ سے لفظ و نثر غیر مرتب کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔

نسخۂ لاہور کے اوراق میں غالب کے اشعار پر صادقین کی بنائی ہوئی تیرہ غیر مطبوعہ تصویروں کے عکس بھی شامل ہیں۔ فن مصوری کے کارناموں کو پرکھنے کا میں دعویٰ نہیں کر سکتا تاہم مجھے تیرہ میں سے بارہ تصویروں کا پس منظر اور پیش منظر غالب کے شعروں کے مقابلے میں حد سے زیادہ خوفناک اور کرب ناک معلوم ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن چغتائی نے اپنے مرقعے میں غالب کے کیف نشاط اور رندانہ سرمستی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ اگرچہ کلام غالب کی یہ تعبیر جامع نہ تھی لیکن بے بنیاد بھی نہ تھی اور فن کے نمونے بڑے دلکش تھے۔ صادقین نے ان تصویروں میں نہ صرف غالب کے ارتفاع کرب اور روشنیٔ غم کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ کرب و غم کو بھیانک آرٹ میں تبدیل کر دیا ہے۔

نقوش کے اس شمارے کے ابتدائی صفحات میں "غالب کی یاد میں" کے عنوان سے جسٹس سجاد احمد جان کی ایک صدارتی تقریر بھی جو نقوش غالب نمبر حصۂ اول کے سلسلے میں کسی تقریب سے متعلق ہے شائع ہوئی ہے۔

ایسی صورت میں کہ

(۱) غالب ساری دنیا کے ہوتے ہوئے ہندوستان کے شاعر تھے۔

(۲) ان کی وفات صدی یا صد سالہ برسی منانے میں ہندوستان میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

(۳) نسخۂ بھوپال بخط غالب ہندوستان ہی کی دریافت تھی۔ (باقی صفحہ ۱۲ پر)

---

[1] ہماری زبان، ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء مراسلات میں "امروہہ اور بھوپال کی بحث" کے سلسلے میں اسی زمانے میں پروفیسر سید احتشام حسین صاحب نے راقم الحروف کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں یہ دلچسپ جملہ لکھا تھا: "دونوں جگہوں کو چھوڑ کر اس کا نام نسخۂ امریال رکھ دیا جائے تو کیا برا ہو۔"

[2] سب رس حیدرآباد، غالب نمبر حصہ دوم، دسمبر ۱۹۶۹ء، مراسلہ، ص ۱۵۱-۱۵۰۔

[3] نسخۂ بھوپال اور نسخۂ بھوپال ثانی از عبدالقوی دسنوی، مجلہ سیفیہ، بھوپال، غالب نمبر ۷۰-۱۹۶۹ء۔

مراسلات

غالب اور اشہری

"ہماری زبان" کی گزشتہ اشاعتوں میں "غالب اور اشہری" کے عنوان کے تحت جناب نجیب صاحب فاروقی نیز جناب حیدر عباس صاحب رضوی کے مراسلات نظر سے گزرے جناب نثار احمد فاروقی صاحب کے ۲۲ اپریل ۱۹۷۰ء کے مراسلے میں بعض نکات وضاحت طلب تھے چنانچہ جناب حیدر عباس صاحب رضوی نے اپنے مراسلے میں بروقت ان نکات کی طرف اشارہ کیا جس کا انداز ابہام و تفہیم کا سا معلوم ہوتا ہے جس میں کسی کی اہانت اور ناچاقی کا ذکر نہیں تھا لیکن جناب نثار احمد صاحب فاروقی کے مراسلے مورخہ یکم جون ۱۹۷۰ء نے مناظرانہ انداز پیدا کر دیا ہے "ہماری زبان" کے صفحات میں ادبی مباحث کے لئے گنجائش ہے لیکن ان صفحات کو مناظرے کا میدان بنا دیا جانا قطعاً نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

میں نے مراسلات کو پڑھا لیکن مجھے یہ کہیں نہیں ملا کہ جناب حیدر عباس صاحب رضوی نے غالب دہلوی کے سفر الہ آباد کے سلسلہ میں تحقیق کی گنجائش کا ذکر کیا ہو ان کے مراسلے کی جس عبارت سے جناب نثار احمد صاحب فاروقی نے استخراج کیا ہے وہ اس طرح ہے:

"اشہری کی عبارت میں دلی کی آبادی اور شاعری کا ذکر موجود ہے اس کے بعد غالب دہلوی اور غالب الہ آبادی کے مباحث میں الجھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ابھی تحقیق کی گنجائش ہے اس لئے کہ قیاس آرائی یا کتابت کی غلطی سے بعض اوقات واقعات اور تاریخیں غلط درج ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے کہ اشہری کی مڈبھیڑ جس غالب سے بابو بینی پرشاد وکیل کے دیوان خانے میں ہوئی وہ غالب الہ آبادی ہی تھے اس لئے کہ مرزا غالب دہلوی کے معاصرین میں غالب الہ آبادی کے علاوہ کئی اور غالب بھی تھے جن کو وہ شہرت حاصل نہ تھی جو مرزا غالب دہلوی کو۔"

اس عبارت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مراسلہ نگار کتابوں میں تاریخ اور واقعات غلط درج ہونے کا قائل ہے اس لئے بیان پر تو شبہ کرتا ہے لیکن کسی ٹھوس ثبوت کی غیر موجودگی میں محض قیاس کی بنیاد پر اشہری کے بیان کو غلط نہیں ٹھہراتا۔ وہ غالب دہلوی کے معاصرین میں غالب الہ آبادی کے علاوہ کئی اور کا ذکر کرتا ہے جس کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ اس بات کا ابھی کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ وہ غالب جن کو اشہری نے بابو بینی پرشاد وکیل کے دیوان خانے میں دیکھا غالب الہ آبادی ہی تھے دوسرے کوئی غالب نہیں تھے۔ چنانچہ جناب حیدر عباس صاحب رضوی یہ لکھنے میں حق بجانب ہیں کہ "ابھی تحقیق کی گنجائش ہے"۔ اس جملے کو غالب دہلوی کے سفر سے ربط دینا ناانصافی کے مترادف ہوگا۔

"بھوپال اور غالب" میں درج شدہ اشہری کے بیان پر جناب عبدالقوی صاحب دسنوی کے مختصر جملے پر جناب نثار احمد صاحب فاروقی نے تحریر فرمایا ہے کہ "یہ جرح ناکافی ہے"۔ یہ دراصل ان کے پچھلے بیان کی نفی ہے ورنہ انھوں نے ۲۲ اپریل کے شمارے میں صاف طور پر تحریر فرمایا ہے کہ "شبہ وارد نہیں کیا"۔ جناب عبدالقوی صاحب دسنوی کا موضوع بھوپال اور غالب تھا نہ کہ امجد علی اشہری کی تائید و تردید اسی لئے انھوں نے اشہری کی بیان کردہ تاریخ پر محل نظر ہونے کا اشارہ کیا ہے اور اتنا اشارہ کافی ہے۔ جناب عبدالقوی صاحب دسنوی کو اس بحث میں الجھانے کی کوشش کی گئی ہے جو غیر ضروری ہے۔

جناب حیدر عباس صاحب رضوی کے مراسلے کے جس آخری حصے کو جناب نثار احمد صاحب فاروقی نے نقل کیا ہے اس میں تحقیق کے ایک عام اصول کو مختصر الفاظ میں دہرا دیا گیا ہے اس پر طنز اور تعریض نامناسب معلوم ہوتی ہے مجھے حیدر عباس صاحب رضوی کے مراسلے میں ابہام و تفہیم کا احساس ہوتا ہے وہ نہ تو امجد علی اشہری کی تائید پر کمربستہ ہیں اور نہ محض جناب نثار احمد صاحب فاروقی کے قیاسات کی بنا پر ان کی تردید کر رہے ہیں۔

اجین • آفاق صدیقی

استفسار

اردو کے بعض (عربی) الفاظ کی جمع "یات" کے لاحقے سے بنائی جاتی ہے۔ ان میں ایسے الفاظ بھی ہیں جو سہ حرفی ہیں اور ان کے پہلے دونوں حروف مفتوح ہوتے ہیں جیسے غزل، نظر وغیرہ۔ میرا مشاہدہ ہے کہ ان کی جمع بنانے والے درمیانی حرف کو ساکن کر دیتے ہیں اور آخری حرف کو جمع کے لاحقے سے ملا کر متحرک ادا کرتے ہیں۔ یعنی یوں غزْ + لی + یات یا نظْ + ری + یات

شمالی ہند کی تحریروں میں میں نے دیکھا ہے کہ ان میں آخری حرف پر تشدید لگا دیتے ہیں (غزلیّات)۔ اسی طرح اہمیت کے قبیل کے الفاظ بھی اسی ڈھنگ سے ادا کئے جاتے ہیں (اَہ + می + یت)!

میں سمجھتا ہوں کہ جمع بنانے کے دوران بھی ان الفاظ کی اصل شکل برقرار رہنی چاہیے تبھی جمع معنی خیز ہوگی۔ پھر بھی میں اسی بارے میں جاننا چاہوں گا شکریہ۔

چکبالاپور • م۔ن۔ سعید

اخبار و افکار

ڈگری کالجس میں اردو کو بھی ذریعہ تعلیم بنایا جائے

حیدرآباد، اردو تلگو عوامی محاذ نے ریاستی حکومت کی جانب سے سال ۱۹۹۰-۹۱ء میں جونیر کالجس کے پہلے بیاچ کی کامیابی کے ساتھ ڈگری کالجس میں تلگو ذریعہ تعلیم بنانے پر اصولی طور پر اتفاق کر لینے کے فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے۔ محاذ نے ریاستی حکومت بالخصوص وزیر تعلیم سے اپیل کی ہے کہ وہ تلگو کے ساتھ ساتھ اردو جونیر کالجس کے کامیاب طلبہ کے لئے بھی ڈگری کالجس میں اردو ذریعہ تعلیم شروع کرنے سے بھی اصولی طور پر اتفاق کر لیں۔ محاذ کے ایک پریس نوٹ میں جو یہاں جاری کیا گیا ہے، کہا گیا ہے کہ ریاستی حکومت نے اپنی واضح لسانی پالیسی کے پیش نظر جہاں تلگو جونیر کالجس کا پہلے پہل اعلان کیا تھا وہیں بعض نمائندگیوں کے بعد، جس میں انجمن ترقی اردو شاخ آندھرا پردیش اور مجلس عمل طلبہ برائے اردو کی نمائندگیوں کو خاص طور پر دخل حاصل ہے، اردو جونیر کالجس کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ اب جبکہ اردو جونیر کالجس شروع ہو چکے ہیں۔ یہ ریاستی حکومت اور محکمہ تعلیمات کا فرض ہے کہ وہ ان کالجس کے کامیاب طلبہ کے لئے بھی ڈگری کالجس قائم کرے تاکہ ان کا تعلیمی مستقبل محفوظ رہ سکے۔ اردو تلگو عوامی محاذ نے ریاستی حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ تلگو اردو اور انگریزی کی نصابی کتب کی قیمتوں میں واجبی حد تک کمی کا اعلان کرے۔

• رہنمائے دکن

اردو ذریعہ تعلیم

نظام العلوم جونیر ہائی اسکول کی منتظمہ نے اپنے یکم جولائی کے جلسے میں طے کیا کہ پرائمری و جونیر درجات میں ذریعہ تعلیم اردو کر دیا جائے چنانچہ امسال سے درجہ ایک تا چھ میں اردو میں ہی تعلیم دی جائے گی نیز آئندہ برسوں میں بتدریج ساتویں اور آٹھویں میں بھی ذریعہ تعلیم اردو کر دی جائے گی۔

مدرسین اسکول اور طلبہ کے سرپرستوں نے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا مدرسین نے اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ وہ اردو کے ذریعہ تعلیم دے کر معیار تعلیم کو مزید بلند کریں گے۔

• قومی آواز

اردو لائبریری چائباسہ کی تباہی

بہار حالیہ فرقہ وارانہ فساد میں اردو لائبریری چائباسہ جل کر خاک ہو گئی اردو لائبریری کی عمارت و قیمتی ذخیرہ کے جل جانے سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کا نقصان ہوا لیکن حکومت بہار نے بلڈنگ گرانٹ پانچ ہزار روپیہ اور ٹاٹا کمپنی نے دو ہزار روپیہ عطیہ کے طور پر دئے۔ لہٰذا ہمدردان قوم و ملت اور ادب نواز حضرات سے گذارش ہے کہ اس ادارہ کی امداد فرما کر ادب نوازی اور انسان دوستی کا ثبوت دیں۔

• سیاست

بھوپال میں اردو میڈیم اسکولوں کی منظوری

اردو دوستوں کی انتھک مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج بھوپال میں اردو میڈیم اسکول کھل گئے۔ اگرچہ اس تحریک کے مطالبات میں شہر کے صرف دس اسکول شامل تھے۔ مگر حکومت نے نہایت فراخدلی سے نہ صرف بھوپال کے تمام اسکول بلکہ ڈی۔ او۔ شری شاستری کے تحت جتنے اسکول آتے ہیں خواہ وہ دیہات میں ہوں، وہاں بھی اگر بچوں کے سرپرست اردو میڈیم کا مطالبہ کریں گے تو یہ سہولت مل سکے گی۔ یہ سہولت پہلے درجہ سے شروع ہوگی۔ دیگر مطالبات میں ان حضرات نے بھوپال کے ہائر سکنڈری اسکول میں اردو لیکچرر کا مطالبہ کیا تھا مگر مضمون کے لیکچرر ان اسکولوں میں ہیں مگر نہ تھے تو صرف اردو کے۔

ڈی۔ اے۔ سی۔ شری پانڈے نے بھوپال کے لئے چار لیکچرر کی سفارش کی ہے۔ یہ لیکچرر ہوں گے حمیدیہ گرلز و بوائز، جہانگیریہ بوائز، گرلز ہائر سکنڈری اسکول کے لئے جگہیں خالی ہونے پر جلد ان کا تقرر ہو جائے گا۔ مرکزی حکومت کی تمام ریاستوں کو ہدایت ہے کہ ہر پرائمری اسکول میں اقلیتی زبان کے طلبہ کی تعداد کا اندراج کیا جائے۔ اس کے لئے الگ رجسٹر ہر اسکول میں ہیں۔ بھوپال میں اس پر بھی اتفاق سے عمل نہ ہو رہا تھا ان رجسٹروں کے رکھے جانے کا حکم جاری کر دیا گیا ہے۔

ان تمام مطالبات کے تسلیم ہو جانے کے بعد تمام اردو دوست اور اردو سرپرستوں کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھائیں اور اپنے بچوں کے لئے ہیڈ ماسٹر سے اردو میڈیم کا مطالبہ کریں۔ اگر ان اسکولوں میں ایک خاص تعداد طلبہ کی نہ ہوئی تو یہ سہولتیں چھین لی جائیں گی اور پھر اردو والے اس قسم کا مطالبہ کرنے کا حق نہ رکھیں گے۔

• الجمعیۃ دہلی

طالبات کے لئے جونیر کالج کا مطالبہ

کریمنگر۔ جناب ابوالمکارم غازی الدین کمال کریمنگری معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریمنگر نے اپنی ایک صحافتی اپیل میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ کریم نگر میں اردو جونیر کالج برائے طالبات کا فوری قیام عمل میں لایا جائے۔ انھوں نے اپنے بیان میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس سے قبل نظامت تعلیمات کے پریس نوٹ میں اردو جونیر کالج برائے طالبات کے قیام کی منظوری کے سلسلہ میں جن مقامات کا ذکر کیا گیا تھا ان میں کریمنگر کا نام بھی شامل تھا۔ مگر صدر معلمہ مدرسہ فوقانیہ نسواں کریم نگر سے ربط پیدا کرنے پر یہ پتہ چلا کہ ابھی نظامت تعلیمات سے کوئی منظوری حاصل نہیں ہوئی ہے اس لئے جونیر کالج نسواں کریم نگر میں اردو کی جماعت قائم نہیں کی گئی حالانکہ پریس نوٹ کو اجراء ہوئے کافی عرصہ ہوا۔ لڑکیوں کی کافی تعداد ہونے کے باوجود اب تک منظوری نہیں دی گئی جس کی وجہ سے اردو طالبات کا ایک سال ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔

• رہنمائے دکن

اردو کو لازمی مضمون کی حیثیت سے اسکولوں میں پڑھانے کا مطالبہ

لکھنؤ۔ یوپی کی مجلس قانون ساز کے ممبروں کی اردو کمیٹی کے جلسے میں ایک تجویز کے ذریعہ حکومت پر زور دیا گیا کہ ریاستی وزیر تعلیم کی یقین دہانیوں کے پیش نظر اردو کو آٹھویں درجہ تک لازمی مضمون قرار دیا جائے، سرکاری افسروں کو اردو سیکھنے اور مجلس قانون ساز اور سکریٹریٹ کے امور میں اس کے استعمال کرنے پر مجبور کیا جائے اور اردو طلبہ کے لئے نصابی کتابیں شائع کرائی جائیں۔

یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اردو کو بڑھاوا دینے اور اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً جلسے کئے جائیں۔

کمیٹی نے یہ بھی طے کیا کہ پنجاب کیرالا اور دوسری ریاستوں میں جاکر دیکھا جائے کہ وہاں اردو کی ترقی کے لئے کیا اقدامات کئے جارہے ہیں۔ جناب بیگم حمیدہ حبیب اللہ ایم۔ایل۔اے نے اردو سب کمیٹی کا جلسہ طلب کیا جس میں ریاست کے اندر اردو کی حالت پر غور و خوض کیا گیا، اور فیصلہ کیا گیا کہ جو مکاتب بند کردئے گئے تھے انھیں پھر سے کھولا جائے اور ریاستی حکومت سے درخواست کی جائے کہ مدرسوں اور طالب علموں کو اردو تعلیم کی ترقی اور ترویج کے لئے مالی امداد کا انتظام کرے۔

• نیشنل ہیرالڈ

باقی صفحہ ۲ سے آگے

(۲) اس کے ذیل میں جو نقوش کے اسی نمبر میں بڑے فخر و عقیدت سے شائع کئے جارہے تھے ہندوستان ہی سے کسی طرح حاصل ہوئے تھے۔ کیا محمد طفیل صاحب سے یہ توقع بے جا تھی کہ کم از کم اس نمبر میں ہندوستان کو بخش دیا جاتا۔ مذکورہ تقریر کا ایک اقتباس جس کی بے ربطی سے قارئین یقیناً لطف اندوز ہوں گے بغیر کسی مزید تبصرے کے درج ذیل ہے۔

• بھارت نے بارہ لاکھ روپیہ صرف کرکے ایک شاندار غالب اکاڈمی قائم کی ہے۔ صد سالہ برسی کے موقع پر وہاں کے بیشتر اردو رسائل نے بڑے شاندار غالب نمبر نکالے ہیں۔ ادب اور شاعری خصوصاً غالب جیسے وسیع الخیال شاعر کی شاعری جغرافیائی زاویوں سے متعین نہیں کی جاسکتی نہ ہی غالب کی شخصیت کسی جغرافیائی تقسیم کی حامل ہوسکتی ہے۔ اگر تہذیب و تمدن اور زبان کے لحاظ سے تعین کیا جائے تو میری دانست میں غالب خالص پاکستان کا شاعر ہے۔

بھارت میں جس طریق سے اردو کے ساتھ ناانصافی کی جارہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ میری رائے میں متعدد وجوہ کی بنا پر غالب کا سب سے زیادہ حق پاکستان اور پاکستان کے لوگوں پر ہے کہ وہ اس کی شخصیت اور عظمت کو اجاگر کریں تاکہ اس کی روشن شمع سے علم و ادب کے چراغ جلتے رہیں۔ (غالب کی یاد میں از جسٹس سجاد احمد جان' نقوش، غالب نمبر حصہ دوم ص ۸۱)

عصمت الاکرام

غزل

آئینہ عکس کی چاہت میں نہ ٹوٹا ہوگا
راز جو ہوں گے مگر کیا کوئی ایسا ہوگا
دوستو! مملکت غم کا کوئی اور نہ چھور
اس میں خورشید کبھی کا ہے کہ ڈوبا ہوگا
ایک اس پل کے لئے شام ابد جس کو کہیں
دشت در دشت زمانہ بھی بھٹکتا ہوگا
تیری آواز بڑی دور تک آئی ہمراہ
میں یہ سمجھا تھا ہوا کا کوئی جھونکا ہوگا
ذہن سو اس پہ کہ محتاج ہے دریاؤں کا
دل کی مانند سمندر بھی تو پیاسا ہوگا
داستاں لالۂ صحرا کی انوکھی ہی سہی
پیار کا پھول بھی ویرانوں میں کھلتا ہوگا
مجھ کو سمجھاؤ کہ آغوش صدف کی صورت
مدتوں وقت نے رستہ مرا دیکھا ہوگا
ہائے وہ وقت کہ سرشاری خوں نے حسرت
اپنے پیکر میں کسی اور کو ڈھونڈھا ہوگا

نگرپالیکا فتحپور میں اردو تعلیم کا ناقص انتظام

فتح پور: معلوم ہوا ہے کہ میونسپل کمشنر بخشش حسین زیدی نے صدر میونسپل بورڈ کی توجہ اردو کی ناقص تعلیم کی طرف بار بار مبذول کرائی مگر تادم تحریر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اردو کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام اب تک نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے اردو پسند طبقہ میں بے چینی محسوس کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ چیرمین صاحب موصوف اس جانب فوری توجہ دیں گے اور اردو تعلیم کا وسیع پیمانے پر جلد ہی انتظام کریں گے۔

• سیاست

شمس اور شاہین کے اعزاز میں نشست

بھاگلپور: میں ایک خصوصی ادبی نشست کا اہتمام یوتھ اردو ایسوسی ایشن کی جانب سے ہند پاک کے مشہور شاعر جناب شاہین غازیپوری اور کلکتہ کے ممتاز اردو اخبار "آزاد ہند" کے سب اڈیٹر جناب شمس الزماں کے اعزاز میں بمقام نرنیڈس لائبریری، تاتار پور میں کیا گیا۔ جس کی صدارت جناب حق اصلاحی ریسرچ اسکالر دہلی یونیورسٹی نے فرمائی۔

جناب فضل رب نے ایک ادبی مقالہ سیکولرزم ہندوستانی پس منظر میں پڑھ کر سنایا جسے بہت پسند کیا گیا۔

• رفیق الزماں رفیق

سول ڈیفنس اور اردو

دلی: دلی میں بلیک آؤٹ سے متعلق ہدایت کے دو بڑے بڑے پوسٹر شہر کی دیواروں پر لگے ہوئے نظر آئے بہت تلاش کے باوجود شہر میں کہیں کسی بھی جگہ بلیک آؤٹ کے بارے میں اردو میں ہدایت کا کوئی پوسٹر نظر نہیں آیا اور یہ نہ صرف اردو والوں سے ناانصافی اور اردو زبان سے تعصب کا اظہار ہے بلکہ اردو والے طبقے پر ظلم بھی ہے کیونکہ اگر قواعد سے عدم واقفیت کی صورت میں کوئی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ان کے خلاف کارروائی ہوگی اور اس طرح ان کے ساتھ جان بوجھ کر ظلم کیا جائے گا۔ • الجمعیۃ

اردو ذریعہ تعلیم طلبار کے لئے خوشخبری

ناگپور: حکومت کے منظور شدہ خدیجہ ہائی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ صدر بازار ناگپور میں اب تیسرا شعبہ الیکٹریشین کا بھی کھل چکا ہے۔ ذریعہ تعلیم اردو ہے آٹو موبائل ایک سال کا کورس ہے دوسرا جنرل میکانیک یعنی فٹر کا دو سالہ کورس تیسرا نیا کورس الیکٹریشین کا دو سال کا کھولا جا رہا ہے۔

معیار قابلیت آٹو موبائل کورس کے لئے عام طور سے اردو کا آٹھویں جماعت کے طلبہ کو داخل مل سکتا ہے لیکن زیادہ درخواستیں اردو میں میٹرک پاس کرنے والوں کی آنے پر انھیں ترجیح دی جائے گی۔ فٹر یا جنرل میکانیک کے لئے آٹھویں سے میٹرک تک پاس ہونا چاہئے۔ الیکٹریشین کے کورس کے لئے سائنس کے مضامین میں میٹرک پاس ہونا چاہئے۔ باہر کے طلبہ کے لئے فری بورڈنگ کا انتظام ہے۔ البتہ دونوں وقت کے ایک ماہ کے کھانے کا نام روپیہ ٹھیکیدار کو ادا کرنا ہوگا۔ داخلہ کی آخری تاریخ ۱۵ر جولائی ۱۹۷۰ء ہے اور یکم اگست ۱۹۷۰ء سے اسکول کھلے گا۔ درخواست فارم اور پراسپکٹس ۵۰ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر پرنسپل صاحب خدیجہ ہائی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ صدر بازار ناگپور سے حاصل کیجیے۔

• نامہ نگار

برگ آوارہ کا اجرا

حیدرآباد دکن: اردو ہال حمایت نگر میں جناب خورشید احمد جامی مرحوم کی یاد میں شائع ہونے والے پندرہ روزہ رسالہ "برگ آوارہ" جس کے مدیر نوجوان شاعر محمود خاور ہیں کی رسم اجرا، جناب ہاشم علی اختر رجسٹرار کوآپریٹیو سوسائٹیز کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اس تقریب کی صدارت پدم بھوشن پروفیسر ہارون خاں شروانی نے کی اور ریاستی وزیر لیبر شری بی بنجیا ریڈی نے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی اور اپنی تقریر میں کہا کہ جامی مرحوم کی یاد کی شمع کو فروزاں رکھنے کا تہیہ اور برگ آوارہ کی اشاعت ایک مستحسن اقدام ہے۔

نواب سعید جنگ بہادر پروفیسر علی اکبر اور غلام ربانی نے بھی جلسے سے خطاب کیا۔ رسم اجرائی برگ آوارہ اور اردو مجلس کے اس مشترکہ جلسے میں شہر کے سربرآوردہ اصحاب، معززین، سرکاری عہدہ داروں، ادیبوں اور شاعروں کی ایک کثیر تعداد کے علاوہ جناب فضل الرحمن صاحب، پرو وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی نے بھی شرکت کی۔ معتمد اردو مجلس نواب میر یٰسین علی خاں اور محمود خاور کے شکریہ پر یہ محفل ساڑھے سات بجے شب اختتام کو پہونچی۔

• نامہ نگار

تبصرے

ڈاکٹر شمیم حنفی

۱۔ انتخاب مراثی (انیس و دبیر)

قیمت: تین روپے

۲۔ مقدمہ شعر و شاعری

قیمت: دو روپے ساٹھ پیسے

ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

مکتبہ جامعہ نے حکومت جموں و کشمیر کی مالی امداد سے پرانی کتابوں کی اشاعت کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سلسلے میں "انتخاب سراج اورنگ آبادی" اور "موازنۂ انیس و دبیر" پر تبصرے ہماری زبان کی گذشتہ اشاعتوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس سلسلۂ اشاعت میں اب تک جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان کی طباعت و کتابت بہت اچھی ہے؛ حتی الامکان صحت متن اور صحت املا کا خیال رکھا گیا ہے؛ جہاں انتخاب پیش کیا گیا ہے، یہ کوشش کی گئی ہے کہ شاعر کی نمائندگی کا حق ادا ہو سکے؛ کاغذ نفیس ہے؛ چھپائی آفسٹ کی اور کتابوں کی قیمت اتنی کہ ہر کوئی بآسانی خرید سکے۔

انتخاب مراثی میں انیس اور دبیر کے تمام اہم اور نمائندہ مرثیے شامل ہیں۔ رشید حسن خاں نے تعارف کے چند صفحات میں انیس و دبیر کی مرثیہ گوئی پر چند باتیں لکھی ہیں اور ان کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن کو اس انتخاب کے متن کی بنیاد بنایا گیا ہے۔

مقدمہ شعر و شاعری کی زیر نظر اشاعت کی بنیاد دیوان حالی کا پہلا ایڈیشن ہے جو ۱۸۹۳ء میں مقدمہ کے ساتھ مطبع انصاری، دہلی میں چھپا تھا۔ اس نسخے میں بعض الفاظ کے پرانے املا کی جگہ جدید املا کو اختیار کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ان اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جو بہت پہلے انجمن ترقی اردو ہند نے تسلیم کیے تھے۔ ایسی تمام باتوں کی وضاحت رشید حسن خاں نے تعارفی نوٹ میں کر دی ہے۔

مجموعی طور پر یہ سلسلہ بہت اچھا ہے۔ کتب خانے، استاد، طالب علم اور شعر و ادب کی اچھی کتابوں سے دلچسپی رکھنے والے عام قاری اس نسخے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ زبان و ادب کی بقا اور تحفظ کے لئے اچھی کتابیں پڑھنا ہی نہیں خریدنا بھی ضروری ہے۔

کتاب: منزل کی طرف

(مجموعۂ کلام) : دواکر راہی

ناشر: بزم شعرا رامپور، دو محلہ روڈ، رامپور (یوپی)

قیمت: پانچ روپے

راہی صاحب پیشے کے اعتبار سے وکیل ہیں۔ ہندوستان کے تہذیبی اور معاشرتی مسائل پر ان کی کئی کتابیں ہندی میں شائع ہو چکی ہیں۔ ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں ان کی غزلیں، قطعات اور متفرق اشعار شامل ہیں۔ اس سے پہلے اردو میں ان کے دو شعری انتخابات بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔

انسان دوستی، قومی تعمیر و معاشرتی اصلاح اور ذہنی و جذباتی یک جہتی کے موضوعات راہی صاحب کے ذہن سے خصوصی مطابقت رکھتے ہیں۔ اس مجموعے کے ابتدائی صفحات میں اترپردیش کے گورنر مسٹر ریڈی، ماہر القادری، پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر عابد رضا بیدار، اختر علی خاں سابق وزیر صحت یو۔پی، شوکت علی خاں ایڈوکیٹ، ملک زادہ منظور احمد اور شاہجہاں بانو یاد دہلوی کے علاوہ متعدد حضرات کی تقریظیں، تعارفی مضامین اور تنقیدی آرا شامل ہیں۔ سبھی نے اس مجموعے کے شاعر کو سراہا ہے۔ اس مجموعے میں جا بجا ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے شاعر کی فنی مہارت اور وسعت نظر کا اظہار ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

شوق سے ہم پہ ہنسے گردش دوراں لیکن
ہم کو اس گردش دوراں پہ ترس آتا ہے

نصیحتوں کا کرو ختم سلسلہ واعظ
ہمیں تو عزم و عمل چاہئے دلیل نہیں

کسی بھی نام سے اس کو پکارے کوئی
ہر ایک نام اسی کا ہے نام ہی کیا ہے

سن رہا ہوں ضمیر کی آواز
جیسے مجھ سے خدا مخاطب ہو

غم جہاں کے حقائق ہمیں سنا ڈالیں
تخیلات اگر کچھ سنہرے خواب نہ دیں

گناہ: آتش دوزخ؛ ثواب: حور بہشت
یہ مسئلہ ہے یہ سکے ادھر نہیں چلتے

▼

مردم شماری کا ابتدائی کام شروع ہو گیا ہے۔ مکانوں پر نمبر لگ گئے ہیں۔ آپ یہ دیکھ لیجئے کہ آپ کے مکان پر نمبر لگایا گیا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں لگا ہے تو اپنی انجمن کی شاخ کے نمائندوں کے ذریعہ سے ضلع کے حکام کو مطلع کیجئے۔ مردم شماری کے کارکن صرف ان مکانوں پر اندراج کے لئے آئیں گے جن پر نمبر لگا ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ پرنٹر و پبلیشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L 922 فون R-NO-2186/57